مقیم اثر......اعزازِ لمحہ، لمحہ، اعزاز بھی

مولانا حافظ جلال الدین قاسمی

ہر شخص جو چند الٹی سیدھی سطریں لکھ لے شاعر نہیں بن جاتا۔ تخلیقِ شعر کے لیے راتوں کی نیند، لمحوں کا چین قربان کرنا پڑتا ہے۔ اس فن میں کمال حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی بصیرت، ذہانت، صبر و استقلال اور دماغ سوزی کی ضرورت ہے۔ مبدا فیاض نے مقیم اثر کو طبع کی درّاکی، ذہن کی جودت، دروں بینی، سرعتِ انتقال معنی جیسی صلاحیتوں سے مزین کرنے میں بڑی فیاضی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے ذہنِ رسا نے ایسے ایسے تخلیقی جزیروں کو دریافت کیا ہے جہاں تک پہنچنے سے بہت پہلے ہی ہمارے چھوٹے بڑے ادبی کولمبسوں کے نہ جانے کتنے جہاز اس طرح غرقاب ہوئے کہ ان کا ایک بھی تختہ کنارے پر ظاہر نہیں ہوا۔

مقیم اثر کی شاعری اجتہاد کی شاعری ہے اور یہ اجتہاد عہد آفریں ہے۔ ایک طرف زبان کے نشیب و فراز اور اس کے دقائق پر انھیں مجتہدانہ عبور حاصل ہے دوسری طرف معانی کی لامتناہی فضا کی وسعتوں میں پرواز کرنے والے تنہا شاہین ہیں جس کی ابتدا ہی میں کرگسوں کے پر پرواز تھک جاتے ہیں۔ ایجادِ مضامین، اختراعِ تشبیہات، ندرتِ استعارات، شوکتِ الفاظ کے لیے ان کی قوت متخیلہ کی جولانیاں ایسی نئی روشوں کو تلاش کرتی ہیں جہاں قاری کو تخلیق و تقلید کے درمیان خطِ امتیاز صاف کھنچا ہوا نظر آتا ہے۔ مقیم کا ذہن و قلم کسی حیرت نظام کا تتمہ اور کسی نظریے کا تابع مہمل نہیں بلکہ وہ اس نور کی معیت میں اپنا سفر جاری رکھتے ہیں جو خود ان کے اندرونِ ذات سے پھوٹ رہا ہے ان کی مثال اس کرمکِ شب تاب کی سی ہے جو روشنی کو خارج سے نہیں بلکہ اپنے بطون سے کشید کرتا ہے، اس پروانے کی طرح نہیں جو سراپا روشنی کا طالب

ہے، ظاہر ہے کہ طلب، ذلت کا دوسرا نام ہے۔ وہ حقیقت کے پراسرار منطقوں کی طرف سفر کرتے ہیں اور پایانِ کار انھیں اپنی منزل مل جاتی ہے۔

ان کے اظہار کی زبان کہیں کہیں بے حد پیچیدہ ضرور ہے پر یہ کوئی غیر فطری امر نہیں کیونکہ طریقِ اظہار کی پیچیدگی اور چیز ہے اور ژولیدہ بیانی اور شے۔ اگر یہ سچ ہے کہ تفکر سے کلام میں گہرائی پیدا ہوتی ہے اور تخیل سے شعریت، تو اگر تفکر و تخیل بدرجۂ غایت عمیق ہو جس کی وجہ سے شعر کی معنوی تہ داریوں میں حد درجہ اضافے کی وجہ سے کچھ اغلاق پیدا ہو جائے اور قاری و سامع کا ذہن اولِ وہلہ میں شاعر کی مراد کی طرف متبادل نہ ہو تو اسے معیوب سمجھنا عقل کا دیوالیہ پن نہیں تو اور کیا ہے؟ لاجرم مقیم اثر عربی کے عظیم الشان شاعر متنبّی کے اس شعر کے مصداق ہیں

اذاالقول قبل القائلین مقول ... انا السابق الهادی الیٰ ما اقوله

''میں اس طرزِ جدید کا رہبر اور امام ہوں جس پر میں شعر کہتا ہوں اور دوسرے شعراء اگلے لوگوں کے کہے ہوئے طریقے کی تقلید کرتے ہیں''۔

یوں بھی زندگی اور شاعری کا ایک روشن رخ انحراف بھی ہے اور اچھی اور سچی شاعری کا سفر خطِ مستقیم میں نہیں ہوتا راستے کے موڑ اور پیچ وخم سے سلامتی کے ساتھ گذرنے پر ہی کامیابی قدم چومتی ہے اسی وجہ سے میری نگاہ میں یہ عظیم فنکار کسی ازم، نظریہ یا اصول انتقادیات کی بنیاد پر تخلیقی عمل سے گریزاں لگتا ہے۔ اس کی ذہنی آزادی اس کے تخلیقی عمل کو کشادہ کرنے کی ضامن ہے۔ یقیناً بعض اشعار اس قدر پیچیدہ اور مغلق ہیں کہ چیستاں معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے اعماق میں اتر جائے تو غالبؔ کا یہ شعر آئینۂ تصور میں جھلملانے لگتا ہے

پیوند گری نخلۂ فردوس بریں را ... رضواں کند از ریزۂ کلکم بہ تبرک

ساتھ ساتھ مقیم اثرؔ کا تنقیدی شعور اتنا بلند اور حساس ہے کہ اپنے کسی شعر پر نقدِ بے جا

کرنے والوں پر ایسی کڑی تنقید کرتے ہیں کہ داد نہیں دی جا سکتی۔ ایسے موقع پر وہ وارث علوی کی یاد تازہ کر دیتے ہیں جب وہ شمس الرحمٰن فاروقی کے افکار کو نقد و احتساب کا ہدف ٹھہراتے ہیں۔

مقیم اثرؔ ایک سو پانچ دواوین کے خالق ہیں اور ان کی جتنی دواوین متداول ہیں ان کا ہر ہر شعر ان کی دقیقہ رسی، ژرف نگاہی اور نکتہ سنجی کا آئینہ دار ہے۔ میں کہتا ہوں اگر غالب کے منفرد اندازِ بیان کو ''غالبیت'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تو مقیم اثرؔ کے جدتِ بیان اور ادائے خاص کو ''مقیمیت اثریت'' سے تعبیر کرنا، اربابِ نظر کیوں جائز قرار نہ دینگے۔

حسن نام ہے اظہارِ حقیقت کے وجود کا اور عشق نام ہے اظہار حقیقت کے وجدان کا اور وجود تو بس وجودِ مطلق سے عبارت ہے جو ذاتِ باری میں منحصر ہے۔ مقیم اثرؔ کا تصورِ حسن، تصورِ عشق، تصورِ وجود اور تصورِ وجدان، من و تو کے وسیلے سے زندگی کی اجمالی اور تفصیلی شاعرانہ مصوری میں اپنے وجود کے سہارے جو رنگ آمیزی کرتا ہے اگر ہم حال، ماضی اور مستقبل کے شعوری اور لاشعوری منطقوں کا حاصل اور لا حاصل سامنے رکھ کر بہ نظر غائر جائزہ لیں تو بہ آسانی حقیقت اور مجاز کے درمیان کھنچی مصنوعی اور حقیقی لکیریں مظہرِ ذاتِ الٰہی کی شکل میں آنکھوں کے مہین پردوں پر اپنے روشن نقوش مرتسم کرتی چلی جاتی ہیں۔ بہ زبانِ علامہ اقبالؔ......

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اور بہ زبانِ غالبؔ......

ہنوز محرومیٔ حسن کو ترستا ہوں
کرے ہے ہر بُنِ موم چشم بینا کا

مقیم اثر اتنا کچھ لکھنے کے باوجود ابلیسی شریعت کے برخلاف ادریسی انکسار کا بشکلِ

نسلِ آدم کامل پرستار ہے۔ وہ عجز بشر ہی میں کبریائی کو بھی جلوہ گر دیکھتا ہے، اس کا اعتراف ہے..... ''یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز''

لٰہذا ان پر احساسِ خودار تکازیت اور اپنے فن پر فخر و ناز کا الزام درست نہیں۔ حقیقی عظمت و بلندی کی ابتدا وہیں سے ہوتی ہے جہاں انسان اپنے ہاتھوں اپنی انانیت کو ذبح کر دے کیونکہ..... ''ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور''

بزبانِ غالب

ہاں اہلِ طلب کون سنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

کسی چیز کا متلاشی اپنی مراد کو پالے تو وہ نہ خود کو گم کرتا ہے نہ اس چیز کو اور جو خود کو کھو آئے وہ پانے کا مدعی نہیں بن سکتا۔ خدا جانے پانے والوں نے کیا پایا اور کھونے والوں نے کیا کھویا، اسی پاگل پن یا اسی ناتمامی اور اسی الجھن کا نام مقیم اثر ہے شاید۔ مقیم اثر کہتا ہے

ہوا مثال وہ گذرا ہے دل کے کوچے سے
نشانِ پا بھی نہیں سایۂ وفا بھی نہیں

عروسِ حقیقت کے رخ ور خسار کی دل آویزیوں کو اس طرح اہلِ نظر کے سامنے پیش کیا ہے کہ دور دور تک اس کا کوئی مثیل اور ہمسر نظر نہیں آتا، وہ کہتا ہے......

مقابل آئینے کے آئینہ تھا حیرتیں چپ تھیں
کہاں میں ڈھونڈتا پھرتا وہاں پرچھائیاں تیری

یہ شعر اس درجہ لطیف اور معنی خیز ہے کہ شعر سے زیادہ اعجاز معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں۔

چھاؤں محروم ہو گئی دیوار
کوئی سورج کو یہ خبر کرنا

یہاں صریرِ خامہ مبدل بہ نوائے سروش ہو گیا ہے، کہتے ہیں ؂

لفظ مشعل ہے ان کے ہاتھوں میں
جن پہ اتری نہ شب معانی کی

لفظ و معانی کی لچکتی ہوئی شاخوں کے درمیان کتنا تیکھا اور لطیف طنز آشکار ہو رہا ہے یعنی جب زبانِ ہوشمند میں فکرِ ارجمند کی آمیزش ہو تب شعر وجود میں آتا ہے اور اس میں دلِ دردمند بھی شامل ہو جائے تو تاثیر میں شتاب لگ جاتا ہے۔ کہتے ہیں ؂

وہی پائے شکستہ بھی وہی دستِ دعا بھی ہے
بدن کے غار سے نکلا تو یہ مجھ پر ہوا روشن

یہ شعر ایک جامِ جہاں نما ہے جس میں ہر حقیقت متصور نظر آتی ہے۔ شعر کا ایک ایک لفظ قرطاسِ دل پر مرتسم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ چند اشعار تھے جو مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ورنہ ہر ہر شعر ان کی فکری توانائی کا مظہر ہے۔ اسالیب و تراکیب میں اجتہاد کی جلوہ آرائیاں نظر آتی ہیں۔ وسیع مطالعے، عمیق مشاہدے اور تجربے کی نیرنگیوں کے حوالے سے ان کے ہر ہر شعر میں بے مثل تہ داری، تنوع اور رنگارنگی پیدا کر دی ہے اور ہر جگہ قاری کو محسوس ہوگا کہ کہیں تتبع اور کورانہ تقلید نہیں اور یہ بھی محسوس ہوگا کہ ہر ہر شعر میں معنی آفرینی کی معشوقِ ہزار شیوہ کس طرح قاری کی عنانِ توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جدت طرازی محمود ہے کیونکہ جدت طرازی نام ہے صہبائے کہن کو نئے جاموں میں اس طرح پیش کرنا کہ کام و دہن کے لیے نئی لذت کا سامان فراہم ہو جائے۔ مگر جدیدیت کا مفہوم یہ ہے کہ پچھلے تمام رجحانات کو کالعدم قرار دیا جائے اور نیا انسان نئے شعور کی ترجمانی نئے اسلوب میں کرے، پرانا سانچہ اس لائق ہے کہ اس کو توڑ دیا جائے کیونکہ اس قدیم سانچے میں جدید تصورات اپنی جگہ نہیں پاتے ہیں۔ جدیدیت کی تعریف ہی یوں کی گئی ہے کہ جدیدیت وہ روشن خیالی اور انسان دوستی ہے جو کسی بھی ہستی کی بالادستی اور روایت کو مسترد کرتی ہے یہ اس مفروضے پر قائم ہے کہ سچائی اور معنی

کا واحد منبع خود مختار فرد کی عقل ہے۔ رہا مابعد جدیدیت کا معاملہ تو لیونارڈ جس کا شمار اس فکر کے بانیوں میں ہوتا ہے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے

I define postmodernism as incredulity towards meganarratives.

''مابعد جدیدیت کے تصور کے مطابق دنیا میں کسی آفاقی سچائی کا وجود نہیں ہے بلکہ آفاقی سچائی کا تصور ان کے نزدیک محض ایک خیالی تصور (Otopia) ہے۔ لہٰذا مقیم کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ جدیدیت یا مابعد جدیدیت کا شاعر ہے، ایک غیر متوازن تبصرہ ہے۔ اس کے ثبوت میں بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مقیم آثر پہلے مومن ہے بعد میں شاعر۔ اُن کی ایک غزل انگریزی ترجمہ کے ساتھ ملاحظہ کریں......

☆

پازیب سے تلوار کی جھنکار تلک میں
اس خاک سے پھولوں بھرے اشجار تلک میں
زنجیرِ محبت کا ہوں اک حلقہ مضبوط
ہوں دار سے ہر نغمۂ بیدار تلک میں
ہر موجِ شکستہ میں بھروں شعلہ خود سر
دریا سے ہوں ٹوٹی ہوئی پتوار تلک میں
من جاؤں تو یہ سر بھی سر راہ کٹا دوں
تن جاؤں تو پھر شوکت پندار تلک میں
بکھروں تو سمٹ جائے بکھرتی ہوئی خوشبو
سمٹوں تو کھلوں غنچۂ اسرار تلک میں
بادل سے کہوں جلتے ہوئے راز دلوں کے
شعلوں میں کھلوں بارشِ انوار تلک میں

میں اس کے حوالے سے تجھے پاک تو کر لوں
لے جاؤں گا تجھ کو بھی درِ یار تلک میں
سایہ نہیں زر دار کا دیوار سے آگے
پھیلا ہوا ہر ظلمتِ نادار تلک میں
اس آس سے الجھیں کبھی مہتاب گھروندے
سورج کے دہکتے ہوئے رخسار تلک میں

☆

From the linking of the anklets to the jingling of sowrds
it is me.
From this soil the trees full of flowers
it is me.
I am hard of the chain of love
From the hanging noose of execution to every wakefull song
it is me.
I fill a wayward blazing in every broken wave
From the river to the broken oar
it is me.
if I am brought round, I will make my head cut off.
And it is show stubbornuess to the magnificente of arrogance
it is me.
if I spread out myself, the scattered fragrance will shrink
if I shrink, I open to the blooms of mysteries
I tell to the clouds the blazing mysteries of my heart
that who blooms in the blazes till the rain of ligh comes
it is me.
Allow me sanctify you with reference to him

I will carry you too the thresh hold my sweetheart
A rich does not cast his shadow ahead of the walls that who is extented to every darkness of poor it is me.
the moon-like clay houses may at that fire sometimes or other
To the burning cheeks of the sun
it is me.

☆☆☆

ایک اور فخریہ پیش کش

لمحے لمحے (بدایوں) ۱۹۸۲ء سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس رسالے نے اب تک جن محترم شخصیات پر خصوصی شمارے شائع کیے ہیں اُن میں ڈاکٹر بشیر بدر، زبیر رضوی، مظہر امام، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، ساحر ہوشیار پوری، دلاور فگار، رام لعل، عشرت کرتپوری، پروفیسر وسیم بریلوی، ڈاکٹر راحت اندوری، کے. سنگھ مہتک، محترمہ ڈاکٹر مدھوریما سنگھ، پریئے درشی ٹھاکر خیال، رامیندر جاکھو ساحل، راجندر ناتھ رہبر، مقیم اثر بیاولی جیسے عظیم اہل قلم شامل ہیں۔

تازہ شمارہ منفرد لب ولہجے کے عالمی شہرت یافتہ شاعر

خورشید اکبر نمبر

ہوگا

صفحات ۳۰۰...... قیمت -/Rs. 200

رابطہ:- حسیب سوز- مدیر لمحے لمحے، امام باڑہ اعلیٰ پور، بدایوں (یوپی) پن 243631
موبائل: 9319558021, 9720735172